

رَبیعُ اوّل

تصنیف: حضرت مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

www.afif.in

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، ممبئی، انڈیا

ط: روزنامہ سہارا، متاعِ آخرت، ،عزیز الہند، سہ روزہ دعوت وغیرہ

مومن کا ہر لمحہ 'ربیع' ہے

ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، اس ماہ سے متعلق کوئی خاص حکم شریعتِ مطہرہ نے نافذ نہیں کیا۔ البتہ! اسی ماہ میں چوں کہ خلاصۂ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اس طور پر یہ نہایت ہی مبارک مہینہ ہے۔

شیخ علم الدین سخاویؒ کے مطابق ربیع الاول کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اہلِ عرب کی اقامت ہو جاتی تھی اور ارتباع کہتے ہیں اقامت کو، اس کی جمع اربعاء ہے۔[۱]

ہمارے نزدیک اس کی اس سے زیادہ مناسب توجیہ یہ ہے کہ اس ماہ کو ربیع الاول اس لیے کہتے ہیں کہ ربیع کے ایک معنی بہار کے ہیں اور چوں کہ اس مبارک مہینے میں خلاصۂ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت وقوع پذیر ہوئی، اس لیے اسے موسمِ بہار کہا گیا۔ اس پر کسی کو یہ اشکال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نام تو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے بھی مہینوں کے یہی نام مشہور تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۱۹۵

وتعالیٰ کو بھی تو اس مبارک گھڑی کے وقوع پذیر ہونے کا علم ازل سے تھا، اسی لیے یہ نام مشہور کر دیے۔ اسی مہینے میں سرورِ کائنات مکّہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے اور اسی مہینے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ربِّ حقیقی سے جا ملے۔[۱]

یہاں ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ مومن کے لیے یہ ربیع کی خوشی کسی ایک دن، تاریخ یا ایک مہینے کی خوشی نہیں بلکہ ساری زندگی کی خوشیاں ہیں، اس لیے کہ رحمۃ للعالمین نے پوری زندگی کو اپنے فیض کے نور سے منور فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زندگی کے ہر ہر مرحلے میں پر سنت کی شکل میں وہ عظیم عطیہ امت کو عطا فرمایا ہے، جس کو زندگی میں رچا بچا لینے کے بعد مومن ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خدا کا قُرب محسوس کرتا ہے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جان جان کر سنتوں پر عمل کرے اور سننِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری کرے، اس کے بعد اس کے لیے زندگی کا ہر لمحہ ربیع اور بہار کا موسم ہے۔ جب وہ دن بھر کی تھکان سے چور ہو کر بستر پر آتا ہے اور سونے کی تیاری کرتا ہے، تو جس طرح رحمۃ للعالمین نے تعلیم دی ہے، اسی طرح لجاجت سے وہ اپنے رب سے عرض کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ (۳/مرتبہ) اور اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْیٰی۔

اے اللہ جس دن آپ اپنے بندوں کو قبروں سے اٹھائیں گے، اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچا لیجیے گا اور اے اللہ! میں آپ ہی کے نام کے ساتھ مرتا اور جیتا ہوں۔[۲]

[۱] لطائف المعارف:۱۸۹-۱۸۸

[۲] ابوداود:۵۰۴۵، ترمذی:۳۳۹۸

پھر جب صبح اس کی آنکھ کھلتی ہے تو یوں اللہ کا شکر کرنے لگتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت کے بعد پھر زندہ کیا اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔[۱]

کیوں کہ وہ جانتا کہ نیند بھی گویا کہ آدھی موت ہے اور یہ اس ربِّ کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس موت سے اٹھا کر پھر سے مجھے عمل کرنے کا ایک اور موقع عنایت فرمایا۔

اس کے بعد جب اسے استنجا یا قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ سر ڈھک کر سنت طریقے پر بیت الخلا کی طرف چلنے لگتا ہے تو:

بسم اللہ۔

شروع اللہ کے نام سے۔[۲]

کہتا ہوا اپنے رب کو پکارتا اور جن خبیث شیاطین کے بیت الخلا میں ہونے کا رحمۃ للعالمین نے امکان ظاہر فرمایا ہے، ان سے اپنے رب کی اس طرح پناہ طلب کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَآئِثِ۔

اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیاطین مرد اور شیاطین عورتوں سے۔[۳]

---

[۱] بخاری: ۶۳۱۴

[۲] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۰

[۳] بخاری: ۶۳۲۲، مسلم: ۳۷۵

پھر جب وہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلا سے باہر نکل آتا ہے تو ایک شکر گزار بندے کی طرح زبانِ حال وقال سے دعا کرتا ہے:

غُفْرَانَکَ۔

اے اللہ! میں آپ سے مغفرت کا طالب ہوں۔[۱]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے تکلیف دہ چیز کو مجھ سے دور کر دیا، اور مجھے عافیت بخشی۔[۲]

کیوں کہ وہ جانتا ہے، کہ مناسب وقت پر بغیر کسی تکلیف کے قضائے حاجت ہو جانا بھی اس ربِ کائنات کا عظیم احسان ہے، ورنہ اس مختصر سے کام کے لیے بھی کتنے ہیں جو ڈاکٹروں کے چکر کاٹتے نظر آتے ہیں کہ یا تو انھیں قضائے حاجت نہیں ہو رہی یا اس میں وہ کسی قسم کی تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔

سونے کے وقت لباس تبدیل کر کے سونا بھی سنت ہے، مومن بندہ اس پر بھی عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب صبح اُٹھ کر نماز ادا کرنے کا موقع آتا ہے، تو اس کے لیے وہ مناسب لباس زیبِ تن کرتا اور اس وقت بھی وہ اپنے رب کو یاد کرتا ہوا کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرَ مَاھُوَ لَہٗ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَاھُوَ لَہٗ۔

---

[۱] ابن ماجہ: ۳۰۰

[۲] ابوداؤد: ۳۰، ترمذی: ۷

اے اللہ! میں آپ سے اس کی خیر اور جس کے لیے یہ ہے، اس کی خیریت کا طالب ہوں اور میں آپ کی پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے اور جس کے لیے یہ ہے، اس کے شر سے۔[۱]

اگر اسے بالکل نیا لباس میسر آتا ہے تو اس نعمت پر ان الفاظ سے شکریہ ادا کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ، اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَ خَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ، وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِہٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔

اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں، آپ نے ہی مجھے یہ پہنایا، میں آپ سے سوال کرتا ہوں، اس کی بھلائی اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی بھلائی کا اور آپ سے پناہ لیتا ہوں اِس کے شر سے اور اُس کے شر سے، جس کے لیے اسے بنایا گیا ہے۔[۲]

مومن بندہ لباس کی نعمت میسر آنے پر ہی اپنے رب کو یاد نہیں کرتا بلکہ جب اسے ضرورت کے وقت لباس اتارنا ہوتا ہے، تب بھی اپنے رب کا نام لیتا اور اس کے معبودِ حقیقی ہونے کا یوں اقرار کرتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِی لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔

شروع اللہ کے نام سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔[۳]

[۱] بخاری: ۶۳۱۴

[۲] ترمذی: ۱۷۶۷

[۳] الاذکار للنووی: ۵۳، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۷۳

لباس تبدیل کرکے وہ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کی تیاریوں میں لگ جاتا ہے، جس کے لیے کامل طہارت شرط ہے، اس لیے وہ وضو کرتا اور اپنے رب کے حضور عرض کرتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ۔

شروع اللہ کے نام سے جو عظمت والا ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اوپر دین اسلام کے۔[۱]

اسے معلوم ہے کہ نیکیاں کرنے سے انسان اپنے رب کے بہت قریب ہو جاتا ہے، اس لیے وہ وضو کرتا ہوا بھی آہستہ آہستہ اس طرح دعا گو رہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ، وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ، وَ بَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

اے اللہ! آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیجیے، میرے گھر میں وسعت دے دیجیے اور میری روزی میں برکت عطا فرمائیے۔[۲]

اس کے بعد جب وہ حدثِ اکبر و اصغر سے طہارت حاصل کر لیتا ہے تو بارگاہِ الٰہی میں اپنے ایمان و اسلام کی گواہی دے کر ربِّ کریم سے جود و کرم کا خواہاں ہوتا اور عرض کرتا ہے:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس

[۱] ابوداؤد: ۱۰۱، ترمذی: ۲۶، کشف الاسرار: ۱/ ۸۴

[۲] الاذکار للنووی: ۸۷

کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! آپ مجھے خوب توبہ کرنے والوں اور خوب پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا دیجیے۔[۱]

دریں اثنا اذان کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں، تو وہ بھی اذان کا جواب دینے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا ہے، تو بندۂ مومن اس دعوتِ تامّہ کے بعد اپنے مشفق نبی کے لیے یوں دعا گو ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ، وَالصَّلٰوۃِ الْقَآءِمَۃِ، اٰتِ مُحَمَّدَا الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ، وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدتَّہٗ، اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

اے اللہ! اس دعوتِ تامہ اور قائم ہونے والی نماز کے رب، آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضل عطا فرمائیے اور انھیں اس مقام تک پہنچائیے، جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔[۲]

اس کے بعد مومن سنتیں پڑھ کر گھر سے مسجد کی طرف جانے کے لیے نکلتا ہوا، سب کچھ یہ کہہ کر اپنے رب کے حوالے کر دیتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

میں اللہ کے نام کے سہارے نکلتا ہوں، میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اور تمام طاقت وقوت اللہ ہی کے لیے ہے۔[۳]

[۱] ترمذی: ۵۵، مسلم: ۲۳۴

[۲] بخاری: ۶۱۴ حصن حصین: ۴۹، وفی حاشیتہ: ۸۱

[۳] ترمذی: ۳۴۲۶، ابوداود: ۵۰۹۴

جب بھی کبھی مومن گھر میں داخل ہوتا ہے، اس وقت بھی اپنے رب کا اس طرح نام لے کر ہی داخل ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَ خَیْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا۔

اے اللہ میں آپ سے داخل ہونے کی بہتری اور نکلنے کی بہتری کا سوال کرتا ہوں، اللہ ہی کے نام سے میں داخل ہوا اور اللہ ہی کے نام سے نکلا اور اللہ جو کہ ہمارے رب ہیں، اس پر میں نے بھروسہ کیا۔[۱]

مومن بندہ جب بارگاہِ رب العزت یعنی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اس وقت بھی دربار کے تمام آداب بجالاتا اور عاجزی کے ساتھ اپنے نبی پر درود پڑھتا اور یوں دعا گو ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

اللہ کے نام کے ساتھ میں داخل ہوتا ہوں اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔[۲]

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔

اے اللہ! آپ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔[۳]

اور جب تک مسجد میں رہتا ہے، دنیوی باتوں سے احتراز کرتا اور عبادات میں

[۱] ابوداود:۵۰۹۶
[۲] حصن المسلم:۵۰-۴۹
[۳] مسلم:۷۱۳

مشغول رہتا ہے اور پھر جب مسجد سے نکل کر دیگر ضروری کاموں میں مشغول ہوتا ہے، اس میں بھی اللہ کا اس طرح فضل طلب کرتے ہوئے مشغول ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

اللہ کے نام کے ساتھ میں نکلتا ہوں اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔[۱]

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ۔

اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔[۲]

مومن بندہ صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ خورد ونوش تک میں اپنے رب سے دعائیں کرتا رہتا ہے، جب وہ کھانا شروع کرتا ہے تو کہتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَ عَلٰی بَرْکَۃِ اللّٰہِ۔

شروع اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کی برکت پر۔[۳]

اگر کھانا شروع کرتے وقت کسی وجہ سے یہ دعا پڑھنا بھول جائے، تو یاد آنے پر فوراً یوں گویا ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ۔

اللہ کے نام کے ساتھ (کھانا) شروع کرتا ہوں، (اسی کا نام ہے) اس کے شروع اور اس کے آخر میں۔[۴]

[۱] حصن المسلم: ۵۰-۴۹
[۲] مسلم: ۷۱۳
[۳] حصن المسلم: ۶۸
[۴] ابوداود: ۳۷۶۷، ترمذی: ۱۸۵۹

جب کھانے سے سیر ہو جاتا ہے، اُس وقت بھی وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنا نہیں بھولتا اور کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلْنَا مُسْلِمِیْنَ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔[۱]

اور جب اس کے سامنے سے دسترخوان اٹھایا جانے لگتا ہے، تو وہ رزّاق کا عاجز بندہ بن کر اس طرح اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْداً کَثِیْراً طَیِّبًا مُّبَارَکاً فِیْہِ، غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا۔

اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، بہت بہت اور بابرکت تعریفیں، اے ہمارے رب! نہ اس کھانے سے کفایت کی جاسکتی ہے اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جاسکتا ہے۔[۲]

مومن پانی کا ایک گھونٹ بھی پیتا ہے، تو اس پر بھی اس طرح اللہ کی تعریف کرتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَطْعَمَنِیْ فَاَشْبَعْنِیْ وَ سَقَانِیْ فَاَرْوَانِیْ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے کھلایا، میرا پیٹ بھرا، مجھے پلایا اور مجھے سیراب کیا۔[۳]

[۱] ابوداود: ۳۸۵۰، ترمذی: ۳۴۵۳
[۲] بخاری: ۵۴۵۸
[۳] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۴۷۳

اور جب دودھ جیسی نعمت میسر آتی ہے، تو اس طرح دعا کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ۔

اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور ہمیں یہ نعمت مزید عطا فرما۔[۱]

اسی پر بس نہیں بلکہ مومن بندہ ہر غمی و خوشی میں اپنے خدا کو اسی طرح یاد کرتا رہتا ہے، جس طرح اسے حبیبِ خدا نے تعلیم دی ہے اور کسی موقع پر بھی وہ کسی غمی یا خوشی میں اپنے رب سے اپنا تعلق کمزوں ہونے نہیں دیتا، جب کسی کو ہنستا ہوا دیکھتا ہے اسے بھی یوں دعا دیتا ہے:

اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ۔

اللہ آپ کو خوش اور مسکراتا رکھے۔[۲]

اگر کسی کو مصیبت میں مبتلا میں دیکھتا ہے، تو خود پر اللہ کے احسانات کو یاد کر کے آہستہ سے کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے اس (مصیبت سے) عافیت دی، جس میں تمھیں مبتلا کیا اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔[۳]

[۱] ابوداود: ۳۷۳۰

[۲] حصن حصین: ۱۰۶

[۳] ترمذی: ۳۴۳۲

یہ روزمرہ کے چند مواقع ہیں، جن کا یہاں ہم نے ذکر کیا، ورنہ حقیقی مومن تو وہی ہے، جو زندگی کے ہر ہر لمحے میں اپنے رب کو یاد رکھتا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہے، طوالت کا خوف مانع ہے، ورنہ تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالتے۔

الحاصل! بتانا یہ مقصود تھا کہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مومن کو عشق ہوتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو وہ اپنی سانسوں میں بسائے رکھتا ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ حقیقی مومن وہی ہے، جو اپنے نبی کی سنتوں کو اپنی پوری زندگی میں جاری کرتا ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے، تو اُن کا نام لیوا بھی لوگوں کے لیے، انسانیت کے لیے، زحمت کیسے ہوسکتا ہے؟ جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو، وہ تو خود اپنی جان کے لیے زحمت ہے، وہ دوسروں کے کیا کام آئے گا اور جو انسان، دوسروں کے لیے زحمت ہو، وہ کیوں کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی کہلانے کا مستحق ہے! آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس نکتے کو سمجھیں اور اپنی زندگی میں رحمۃ للعالمین کی سنتوں کو اپنائیں، نہ صرف عبادات میں بلکہ معاملات، معاشرت اور اخلاقیات نیز زندگی کے ہر ہر گوشے میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین



ط: ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند، اذانِ بلال، ندائے اعتدال، روزنامہ متاعِ آخرت وغیرہ □

جشنِ عیدمیلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

منانے میں اختلاف کیوں؟

لفظی اعتبار سے ہر اس دن کو عید کہتے ہیں جس میں کسی بڑے آدمی یا کسی بڑے واقعے کی یاد منائی جائے، بعض نے کہا کہ عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔[۱]

'عید' کو عید کہنا ایک طرح کی نیک فالی اور اس تمنّا کا اظہار ہے کہ یہ روزِ مسرّت بار بار آئے۔[۲]

نیز 'عیدمیلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' کا مطلب ہے، پیغمبرِ اسلام کی ولادت کا دن۔[۳]

[۱] المنجد: ۶۹۰، معجم الوسیط: ۶۳۵

[۲] قاموس الفقہ: ۴/۴۱۹

[۳] فیروز اللغات: ۹۰۸

ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح تاریخ

تمام مؤرخین اور اصحابِ سیر کا اس پر تو اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت پیر کے دن ہوئی، البتہ تاریخ میں شدید اختلاف ہے۔ ۲، ۸، ۹، ۱۰، اور ۱۲ تاریخیں بیان کی گئی ہیں اور وفات کے سلسلے میں ۱۲/ربیع الاول کو جب کہ ولادت کے سلسلے میں ۹/ربیع الاول کو ترجیح دی گئی ہے۔ شاید اسی لیے لوگوں کی زبانوں پر لفظ 'بارہ وفات' کا رہتا ہے اور جشن عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مناتے ہیں۔ یاللعجب![۱]

یومِ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یومِ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی اس عظیم الشان شخصیت کا جنم دن، جسے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ وہ دن واقعی بڑی ہی عظمت و برکت کا حامل تھا۔ اس لیے کہ اس مبارک دن میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف لائے۔ اگر چہ شریعت نے آقا کے یومِ ولادت کو سالانہ 'منانے' کا حکم نہیں دیا نہ اسے عید ہی قرار دیا اور نہ ہی اس کے لیے کسی قسم کے مراسم مقرّر کیے لیکن جس سال ماہِ ربیع الاول میں یہ دن آیا تھا، وہ نہایت ہی متبرک اور پیارا دن تھا۔ آج جو لوگ اس دن کو 'عید' کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ اصلاً رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں، اس لیے کہ خود ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

---

[۱] دیکھیے رحمۃ للعالمین للمنصور پوری: ۱/ ۳۵، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للنعمانی: ۱/ ۱۰۹، سیرۃ المصطفیٰ للکاندھلوی: ۱/ ۵۱، موسوعۃ نضرۃ النعیم: ۱/ ۱۹۵، خطاتِ سیرت للندوی: ۸۳

اللہ تعالیٰ نے دیگر قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے عید کے دو دن مقرّر کیے ہیں؛

(۱) عیدالفطر

(۲) عیدالاضحیٰ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت یہ بات ارشاد فرمائی تھی، جب کہ آپ نے اہلِ مدینہ کو دوسرے دنوں میں زمانۂ جاہلیت کے طرز پر عید و خوشی مناتے دیکھا۔[۱]

اس حدیث سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کے لیے سالانہ صرف دو دنوں کو عید کے طور پر مقرر فرمایا ہے، اس کے علاوہ بعض روایتوں میں جمعہ کے دن کو بھی عید کہا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی دن کے متعلق عید کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ اب اگر کوئی اس پر زیاتی کر کے اپنی طرف سے سالانہ مزید ایک دن بڑھاتا اور اس میں عید جیسی خوشیاں مناتا ہے، تو وہ گویا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ عالی پر عدم رضامندی کا اظہار کرتا ہے اور جو اسے دین کا حصہ سمجھتا ہے، وہ اپنی طرف سے نیا دین تراشتا ہے اور یہ دونوں ہی باتیں نہایت خطرناک ہیں۔

عیدمیلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدا

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ مروجہ مجلسِ میلاد قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے۔ نہ خلفاءِ راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے نہ تابعین و ائمہ مجتہدین؛ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ سے، نہ محدثین؛ امام

[۱] ابوداود: ۱۱۳۴، نسائی: ۱۵۵۷

بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداودؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ وغیرہ سے اور نہ اولیائے کاملین؛ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ اور شیخ عارف شہاب الدین سہروردیؒ وغیرہ سے۔ چھ صدیاں اس امت پر اس طرح گزر گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا۔ سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت مال خرچ کیا، پھر اس کی حرص واتباع میں وزرا وامرا نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، اس کی تفصیل 'تاریخ ابن خلکان' میں موجود ہے۔ اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے، چنانچہ 'کتاب المدخل' میں علامہ ابن الحاج نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح و مفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۷ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت حاصل ہوئی، پھر جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے رہے۔ چنانچہ عربی، فارسی اور اردو۔ ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے اور آج تک تردید کی جا رہی ہے۔[۱]

بریلوی مکتبۂ فکر کا اعتراف

بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک عالم قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں:

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس مخصوص شکل سے یہ عملِ خیر و برکت ونعمت ۶۰۴ھ سے جاری ہے۔[۲]

[۱] فتاوی محمودیہ جدید: ۳/ ۲۱۴-۲۱۳ بتغیر
[۲] مروجہ محفلِ میلاد: ۵۲ ملخصاً

عیدِ میلاد کا حکم

جب جشنِ عیدمیلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کو روکا جاتا ہے تو اس سے بعض کج فہم اس غلط بات کی طرف چلے جاتے ہیں کہ ذکرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کرتے ہیں!

نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! یاد رہے، نفسِ ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکرِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے۔[۱] لیکن اس زمانہ میں مجالسِ میلاد بہت سے منکرات وممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے۔[۲]

بالفاظِ دگر میلادِ مروجہ وقیام مروج جو امورِ محدثہ، ممنوعہ کو مشتمل ہے، ناجائز اور بدعت ہے۔[۳]

یومِ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً باعثِ خوشی اور اظہارِ مسرت کا سبب ہے لیکن اس تاریخ میں ہر سال اگر یہ دن 'منانے' کا ہوتا، تو اس کے متعلق احکامات وہدایات شریعتِ مطہرہ میں کثرت سے وارد ہوتیں۔ یہ بھی خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے سامنے بھی تھا، تو جب خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اس خوشی کا اظہار مروجہ طریقے پر نہیں کیا اور 'عیدِ میلاد' نہیں منایا، تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت میں اظہارِ خوشی کا یہ طریقہ درست نہیں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرکے اس کا جواز ضرور بتلاتے۔ یہی ایک دلیل مروجہ میلاد کے غیر درست ہونے کے لیے کافی ہے۔

[۱] البراہین القاطعۃ علی ظلام انوار الساطعۃ: ۱۴۰ [۲] فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۱/۳ جدید محقق
[۳] عزیز الفتاویٰ: ۱۲۲

ارشادِ ربّانی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل و مکمل کر دیا (اب اس میں کسی طرح کمی بیشی کی گنجائش نہ رہی) اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔[۱]

نیز ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے، جو دین میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔[۲]

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میری سنّت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو، اسے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑے رہو اور دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو، کیوں کہ دین میں پیدا کی گئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[۳]

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بس یہی حق امت پر ہے کہ سارے سال میں صرف ایک دن اور وہ بھی صرف تماشے کے طور پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ مبارک جھوٹے سچے رسالوں سے پڑھ دیا اور پھر سال بھر کے لیے فارغ ہو کر آئندہ بارہ وفات اور

---

[۱] المائدہ: ۳

[۲] بخاری: ۲۶۹۷، مسلم: ۱۸/۱۷

[۳] ابوداود: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۸، ابن ماجہ: ۴۲

عیدِ میلاد کے منتظر ہو کر بیٹھ گئے۔ افسوس! مسلمانوں کا فرض تو یہ ہے کہ کوئی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک سے خالی نہ جائے، البتہ یہ ضروری نہیں کہ فقط ولادت کا ہی ذکر ہو، بلکہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا، کبھی آپ کے روزے کا، کبھی جہاد کا اور کبھی آپ کے اخلاق و اعمال کا، جو کہ سب سے زیادہ اہم ہیں، کبھی ولادتِ باسعادت کا بھی ہو کہ یہ بھی باعثِ خیر و برکت ہے۔[۱]

محبت کی علامت بھی یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو، ولادتِ شریفہ کا بھی، سخاوت اور عبادت کا بھی۔ اس میں کسی مہینے اور تاریخ اور مقام کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ دوسرے وظیفوں کی طرح روزمرہ اس کا وظیفہ ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ سال بھر میں مقررہ تاریخ پر یومِ میلاد منا لیا جائے اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ مبارک تو غذا ہے، ہر وقت ہونا چاہیے، اس میں وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت؟[۲]

اس پوری تفصیل سے واضح ہو گیا کہ محفلِ میلاد میں اگر کوئی تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے، شیرینی اور روشنی وغیرہ کو ضروری نہ سمجھا جائے، غلط روایات نہ پڑھی جائیں، نظم پڑھنے والے بے ریش نہ ہوں اور گانے کی طرح نہ پڑھیں، اسی طرح دوسری بدعات سے خالی ہو، تو مضائقہ نہیں۔[۳]

غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ مبارک جب کہ ان رسوم و بدعات سے خالی ہو تو ثواب اور افضل ہے اور اگر مروجہ طریقے پر رسوم و بدعات سے بھرا ہو تو نیکی

[۱] جواہر الفقہ: ۴/۹۱، امداد المفتیین: ۱۶۳

[۲] الفضائل والاحکام: ۱۱۱، امداد الفتاویٰ: ۱/۱۸۷

[۳] امداد الفتاویٰ: ۵/۲۴۹، نظام الفتاویٰ، حصہ دوم: ۱/۱۶۵

برباد گناہ لازم ہے، جیسے کوئی بیت الخلا میں جا کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے لگے۔[۱]

المختصر! ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اپنی خوشی اور غمی، ہر حالت میں شریعت کی اتباع کرنا واجب اور ضروری ہے اور شریعت میں امرِ مندوب پر اصرار کرنا اور واجب کی طرح اس کا التزام کرنا اتباعِ شیطان ہے۔[۲]

اہلِ حدیث علماء کا موقف

جناب مولانا مفتی ابو محمد عبد الستار صاحب لکھتے ہیں:

ہیئتِ مروجہ کے ساتھ مجلسِ میلاد کا انعقاد از روئے کتاب وسنت قطعاً حرام اور بدعت بلکہ داخل فی الشرک ہے، کیوں کہ اس کا ثبوت نہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، نہ کسی صحابیؓ سے، نہ کسی تابعیؒ سے۔ غرض قرونِ ثلاثہ میں اس کا وجود بالکل مفقود ہے، نہ ازمنۂ ائمہ اربعہ میں اس کا پتہ لگتا ہے، بلکہ ساتویں صدی میں یہ بدعت بجانب خود ایجاد کی گئی ہے۔[۳]

جناب مولانا ثناء اللہ امرتسری تحریر فرماتے ہیں:

ہم مجلسِ میلاد کو کارِ ثواب نہیں جانتے، اس لیے کہ زمانۂ رسالت وخلافت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ آگے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: مولود کی مجلس ایک مذہبی کام ہے، جس پر ثواب کی امید ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی کام پر ثواب کا بتلانا شرع شریف کا کام ہے، اس لیے کسی کام پر ثواب کی امید رکھنا، جس پر شرع شریف نے ثواب نہ بتلایا ہو، اس کام کو بدعت بنا دیتا ہے۔ مولود کی مجلس بھی اسی قسم

[۱] جامع الفتاویٰ: ۲/ ۵۵۲، فتاوی عثمانی: ۱/ ۱۱۹

[۲] عزیز الفتاویٰ: ۲ ۱۴۲ بتغیر

[۳] فتاویٰ ستاریہ: ۱/ ۶۴

سے ہے، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ نے اس پر ثواب کا وعدہ نہیں کیا، اس لیے ثواب سمجھ کر تو یقیناً بدعت ہے، رہا محض محبت کی صورت، یہ بھی بدعت ہے۔ کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا بھی ایک مذہبی حکم ہے، جس پر ثواب کی امید ہے۔ پس جس طریق سے شرع شریف نے محبت سکھائی ہے، اس طریق سے ہوگی تو سنّت، ورنہ بدعت۔[۱]

مفتیٔ اعظم مکہ مکرمہ کا فتویٰ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے لیے ۱۲/ربیع الاول کی رات یا کسی اور رات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل منعقد کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی ولادت کی محفل منعقد کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ میلاد کی محفلوں کا تعلق ان بدعات سے ہے، جو دین میں نئی پیدا کر لی گئی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ پاک میں کبھی اپنی محفلِ میلاد کا انعقاد نہیں فرمایا تھا، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے تمام احکام کو بلاکم و کاست، من وعن پہنچانے والے تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مسائلِ شریعت کو بیان فرمانے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محفلِ میلاد نہ خود منائی اور نہ کسی کو اس کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین، حضراتِ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں سے کسی نے کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا، الخ۔[۲]

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

---

[۱] فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۱۱۹

[۲] مقالات وفتاویٰ: ۱۴۰۶ اردو

ط: روزنامہ متاعِ آخرت وغیرہ

میلاد النبی ﷺ کے موقع پر...

یومِ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی اس عظیم الشان شخصیت کا جنم دن، جسے تمام عالم کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا، وہ دن واقعی بڑی ہی عظمت و برکت کا حامل تھا، جس سال ربیع الاول میں اس کائنات کے سب سے روشن دن میں خلاصۂ کائنات، سید المرسلین، خاتم الانبیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالمِ رنگ و بو میں رونق افروز ہوئے، اگرچہ شریعت نے سالانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت کو کسی مخصوص طریق سے منانے کا حکم نہیں فرمایا، نہ ہی اس کے لیے کسی قسم کے مراسم مقرّر کیے لیکن جس سال ماہِ ربیع الاول میں یہ دن وقوع پذیر ہوا، وہ نہایت ہی متبرک اور پیارا دن تھا۔

آج ربیع الاول کا مہینہ آتے ہی مسجد و محلّوں میں ذکرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمزمے سنائی دینے لگتے ہیں، ہر طرف نبی کے امتی اپنے حبیب کی ولادت کا جشن منانے کی تیاریوں میں لگ جاتے ہیں، مسجدوں اور بعض چوراہوں پر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر جلسے منعقد کیے جاتے ہیں۔۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ لیکن مضمون نگار اس وقت قارئین کے سامنے ایک درمندانہ پہلو رکھنا چاہتا ہے وہ یہ کہ کیا سال بھر میں اس طرح چند روز اپنے حبیب کا ذکر کر لینا ہمارے لیے کافی ہے؟ کیا حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر اتنا ہی حق ہے؟ کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی قدر محبت کرتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام سوالوں کا جواب آپ نفی ہی میں دیں گے اور ضرور ہماری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پورے سال بلکہ ہر دم ہونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنا، اس زمانے میں ویسے بھی ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے، جب کہ انسانیت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، ہر طرف خون خرابا اور ہاہا کار مچا ہوا ہے، انسانی زندگی بے قیمت ہو چکی ہے، ہر طرف دنیوی حرص و ہوس نے انسان کے حواس باختہ کر دیے ہیں۔ گلی، کوچے جرائم کے اڈے بنے ہوئے ہیں، سگا بھائی سگے بھائی کا دشمن ہے، اولاد ماں باپ سے نالاں ہے، والدین اولاد سے پریشان۔۔ کیا کیا کہیں اور کیا کیا لکھیں! قلب و ذہن میں ان گنت باتیں آ، جا رہی ہیں، صرف امراض کا ذکر کر لینا ویسے بھی لا حاصل ہے، اس لیے اصل علاج ہی کا ذکر کرتا ہوں اور وہ ہے۔۔۔ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فروغ اور ان پر عمل درآمد کرنا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک روایت کے مطابق کم و بیش سوا دو لاکھ اور مشہور روایت کے مطابق کم و بیش سوا لاکھ انبیائے کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا، جن میں سے ہر ایک کی دعوت یہی تھی کہ انسان اپنے رب کو پہچانے اور اپنی زندگی کو خالق کے منشا کے مطابق گزارے۔ ان سب نے مشترکہ طور پر یہی پیغام دیا کہ انسان کو خوں ریزی اور زمین پر فساد پھیلانا زیب نہیں دیتا، یہ تو شیطانی عمل ہے۔ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ دنیا، انسان کے لیے دار العمل ہے، جس میں اُسے الٰہی احکامات کے مطابق زندگی گزار کر آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے، آخرت دار الجزا ہے، وہاں ہر چیز کا حساب ہوگا، جس کے مطابق جنت یا جہنم کا

فیصلہ ہونا ہے۔ دنیا میں اصلاً کسی عمل کا بدلہ نہیں ملتا، کچھ اثر بھلے ہی ظاہر ہوجائے، آخرت میں اصل کا بدلہ جزا یا سزا کی صورت میں ملے گا اور جو انسان اس یاد رکھے وہ کامیاب ہے اور جو دنیا میں اُلجھ کر رہ جائے، وہ خسارے میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی پیاری مثال دے کر سمجھایا کہ انسان دنیا میں اس طرح رہے، جیسے پانی کشتی میں رہا کرتی ہے لیکن پانی کو اندر نہیں آنے دیتی، اس لیے کہ چھوٹے سے سوراخ سے بھی اگر پانی اندر آ گیا، تو وہ کشتی غرق ہوجائے گی، یہی معاملہ انسان کا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اگر اِس کی محبت اُس کے دل میں آ گئی، تو وہ ہلاک ہوجائے گا۔ تمام انبیاءِ سابقین کی طرح رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دنیا میں اسی مقصد کے تحت بھیجا گیا اور آپ کے بعد نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر کے یہ پیغام دے دیا گیا کہ اب جو انسان کامیابی حاصل کرنا چاہے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے۔

اب دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کیا تعلیمات دیں، جن پر عمل کر کے ہم اپنی دنیا و آخرت؛ دونوں کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ نبوی تعلیمات؛ جو کہ قرآن و احادیث اور سیرت وغیرہ کی شکل میں ہیں، وہ ساری کی ساری امت کے پاس بعینہ موجود ہیں، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مستند دینی باتوں تک رسائی حاصل کرنے اور انھیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے۔ شیطان، جو کہ انسان کا ازلی دشمن ہے، اُس نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ انسان کو دائیں، بائیں، آگے، پیچھے گویا چہار جانب سے بہکانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہے گا، جس سے وہ کبھی غافل نہیں ہوتا، اگرچہ انسان اپنے اس دشمن سے غافل ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان انسان کے دل

کے پاس اپنی سونڈ لیے بیٹھا رہتا ہے اور جیسے ہی اُسے غافل پاتا ہے، اس کے دل میں وسوسوں کے زہر سے بھری سونڈ چُبھا دیتا ہے۔ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ کسی انسان سے جبراً کوئی بدی کروائے بلکہ وہ تو صرف وسوسہ ہی ڈالتا ہے، آگے اسے عملی جامہ خود انسان پہناتا ہے۔ آج آپ دیکھ لیں کہ کس طرح اس نے انسانوں کو انسانوں کا، غیروں کو مسلمانوں کا بلکہ بعض مسلمانوں کو بعض مسلمانوں کا دشمن بنا کر اس طرح کھڑا کر رکھا ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہوئے بھی ہر وقت برسرِ پیکار رہیں۔ ان میں سے کتنے تو وہ ہیں، جو دین و مذہب کے نام پر ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں اور کتنوں نے بدعات و خرافات کو دین سمجھ کر اصل دین کی طرف دعوت دینے والوں کو اپنا اصلی دشمن سمجھ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے دشمن کے ساتھ بھی کبھی ایسا معاملہ نہیں کیا، جیسا ہم اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کرتے ہیں! رحمۃ للعالمین ﷺ دنیا میں رحمت کو عام کرنے کے لیے تشریف لائے تھے، آپ کا مقصد جہنم میں جا رہی قوم کو جنت میں داخل کرانا تھا، آپ ﷺ لوگوں کو شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور میں داخل کرانا چاہتے تھے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہی آپس میں بھائی بن کر رہنا نہیں سکھایا بلکہ مشرکوں اور اغیار سے بھی احسان کا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی۔ جسے مثالیں دیکھنی ہوں وہ سیرت کا مطالعہ کر کے اپنے شوق کی تسکین کر لے۔

آپ ﷺ نے بچیوں کو جینے کا حق دیا، آپ ﷺ نے عورتوں کو معاشرہ میں عزت دی، آپ ﷺ نے والدین و رشتے داروں سے حسنِ سلوک کی تاکید کی، آپ ﷺ نے پڑوسیوں کے حقوق کی نشان دہی کی، آپ ﷺ نے غیروں سے

حسنِ سلوک کرنا سکھایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو تکلیف پہنچانے پر جہنم کی وعید سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں سے بے جا بد سلوکی سے منع کیا، آپ نے مقتولین کے مُثلہ سے روکا، آپ نے سایہ دار درخت نہ کاٹنے کی ہدایت دی۔۔لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج ایک طرف جہاں اغیار اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام عائد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، وہیں بعض نام نہاد مسلمان بھی اپنے قول وعمل سے اسلام کی پاکیزہ شبیہ کو داغ دار بنانے سے احتراز نہیں کرتے۔ یہ سب اُن تعلیمات کا ایک سطر میں مختصر ترین نمونہ ہے، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں مسلمانوں کے دلوں میں پیوست کیا۔

ربیع الاول کا مہینہ۔۔جس میں خلاصۂ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالمِ رنگ وبو میں تشریف لائے، اس موقع پر گلیوں کو ہری جھنڈیوں سے سجا لینا، چند نعتیہ اشعار گنگنا لینا، لمبی چوڑی تقریریں سُن یا کر لینا۔۔ظاہر ہے کہ صِرف ان چیزوں سے بعثت نبوی کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے، اس کے لیے تو ہم میں سے ہر ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں رچانا بسانا ہوگا، ورنہ کبھی تباہی کے دہانے پر کھڑی انسانیت کو امن نہیں ملے گا۔ آج اس موقع پر ہمیں اس بات کا عزم کرنا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کو۔۔خواہ وہ عائلی ہوں یا قبائلی۔۔ہم قلب وجگر سے اپنائیں گے، سچے عاشقِ رسول بن کر دکھائیں گے یعنی اخلاقِ حسنہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ڈنکا سارے عالم میں بجائیں گے، اپنے اہل خانہ اور رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کریں گے، اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کے نیک کاموں میں ان کا دست وبازو بنیں گے، ملک کی سالمیت کا ہر وقت لحاظ رکھیں

گے۔۔اگر ایسا ہوا، تو سمجھیے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کا فرض نبھانے کی کوشش کی، ورنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، جس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو قرآنِ کریم میں: 'انک لعلی خلق عظیم' کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا، اُسے ہم جیسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس طرح اُس خدا کی خدائی میں ہمارے کچھ کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح اس کے مصطفیٰ کی مصطفائی میں بھی ہمارے چند رسمی اعمال کا کوئی وزن نہیں اور یہ ہماری سخت محرومی کی دلیل ہے کہ اپنی من مانی کر کے ہم اپنے رب کی رضا وخوشنودی کا خواب دیکھتے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بہت خوب فرمایا ہے کہ اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے وہ شخص، جو اس کی تو تعمیل نہ کرے جس کا وہ حکم فرمائے اور جس کا اس نے حکم نہیں دیا، اس میں مشغول رہے، یہی اصل محرومیت اور اصل موت اور اصل مردودیت ہے۔[۱]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عنایت فرمائے۔ آمین



[۲] فیوضِ یزدانی:۳۵۶